پروفیسر ڈاکٹر محمود الحسن عارف

تہذیبوں کے مابین تصادم..........حقیقت یا پروپیگنڈا

تہذیب (Civilization) کا مادہ ھ ز ب (ھذب تہذیباً) ہے جس کے لغوی معنی سجانے اور سنوارنے کے ہیں اور اصطلاحی طور پر اس سے مراد ایسے رویے اور ایسی عادات ہیں جن سے لوگوں کے آپس میں میل جول اور رہن سہن کا اسلوب واضح ہوتا ہے، تہذیب اجتماعی زندگی کی ایک اہم ضرورت ہے۔ اور جب سے دنیا وجود میں آئی ہے اس وقت سے دنیا مختلف تہذیبوں اور تمدنوں کی آماجگاہ بنی رہی ہے۔

یہاں دنیا کی مختلف قوموں نے اپنا اپنا تہذیبی اور تمدنی ارتقاء حاصل کیا پھر کچھ سال یا کچھ صدیوں تک اپنا تہذیبی اور تمدنی مظاہرہ دکھانے کے بعد وہ قومیں اپنی تہذیب و تمدن سمیت دنیا سے ناپید ہوگئیں۔ اس طرح ان کے پیچھے صرف ان کی داستانیں رہ گئیں۔

اسلام جب دنیا میں طلوع ہوا اس وقت یوں تو بہت سی تہذیبیں موجود تھیں، لیکن وہ زندگی کے جواں جذبوں اور ولولوں سے عاری تھیں، اسی لئے ان کا دم واپسیں شروع ہو چکا تھا۔ اسلام نے دنیا میں ایک طاقتور تہذیب اور تمدن کی بنیاد رکھی۔ اسلام کی اس تہذیب کی اساس ایک خدا، ایک رسول، ایک کعبہ، اور ایک کتاب ہدایت پر ہے۔ نیز اسلام کے عالمگیر نظریہ مساوات انسانی پر، اسی لئے اس تہذیب کی قوموں کی برادری میں شناخت چھوٹوں پر شفقت، بڑوں کے احترام، ماں باپ اور بزرگوں کی عزت و خدمت، رشتہ داریوں سے ملاپ، دوسروں کی مدد اور سب سے بڑھ کر شرم و حیا، عفت و پاکدامنی اور چادر اور چار دیواری کے احترام پر ہے۔ پھر اسلام نے اس بات کی بھی ہدایت کی ہے کہ مردوں کو عورتوں جیسا اور عورتوں کو مردوں جیسا رہن سہن اختیار نہیں کرنا چاہیے۔ قرآن کریم میں ہے:

ولا تتمنوا مافضل الله به بعضكم على بعض للرجال نصيب مما اكتسبوا وللنسآء نصيب مما اكتسبن

ترجمہ: ''اور جس چیز میں اللہ نے بعض کو بعض پر فوقیت دی ہے، اس کی ہوس مت کرو، مردوں کو ان کاموں کا ثواب ہے جو انہوں نے کئے اور عورتوں کو ان کاموں کا ثواب ہے جو انہوں نے کئے۔''

علاوہ ازیں اسلامی تہذیب کا خمیر شرم و حیاء اور تقویٰ و اخلاص اور تزکیہ نفس سے اٹھایا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی محتشم ﷺ کو جن اعلیٰ ترین اور ارفع ترین مقاصد کی تکمیل کیلئے دنیا میں بھیجا۔ ان میں سب سے اعلیٰ ترین مقصد،

تزکیہ وطہارت نفس ہے[۲] اور مرد وزن میں عدم اختلاط' چادر اور چار دیواری کا تحفظ اس تہذیب کا خاصہ ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ نبی کریم ﷺ نے ہمیں دوسروں کی مشابہت اختیار کرنے سے' سختی کے ساتھ منع فرمایا اور ہمیں متنبہ کرتے ہوئے فرمایا: من تشبہ بقول فھو منھم[۳] ''جس کسی نے کسی دوسری قوم سے مشابہت اختیار کی' وہ انہی میں سے ہے''

اس لئے اسلامی تہذیب' دوسری تہذیبوں کی ملاوٹ سے ہمیشہ پاک وصاف رہی ہے۔ البتہ تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ اندلس' صقلیہ' افریقہ' ہندوستان اور دوسرے کئی ممالک میں جہاں اسلامی تہذیب کو غلبہ حاصل رہا۔ وہاں دوسری اقوام اور دوسری تہذیبوں کے لوگ مسلمانوں کی مشابہت اختیار کرتے رہے ہیں۔ اور آج بھی اسلامی تہذیب کی یہ برتری دنیا کے کئی ممالک میں واضح طور پر دیکھی اور ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

اسلام اور عیسائیت کے مابین تصادم:

جب اسلام آیا اس وقت دنیا کے ایک بڑے خطے پر عیسائیت کا راج تھا۔ اسلیئے عیسائیت کے ساتھ ابتدائی دنوں میں نرمی اور مروت آمیز سلوک کے باوجود نبی اکرم ﷺ کی حیات مبارکہ کے آخری دنوں میں خلافت راشدہ اور مابعد کے ادوار میں بالخصوص اسلام اور عیسائیت کے درمیان شروع ہونے والا فکری تصادم عملی تصادم اور جنگ کی صورت میں ڈھل گیا۔ جنگ مؤتہ اور جنگ یرموک سے شروع ہونے والی معرکہ آرائی جلد ہی دونوں قوموں کے درمیان خوفناک جنگوں کی صورت میں تبدیل ہوگئی۔ اور دونوں قوموں کے درمیان دنیا کی خوفناک ترین جنگیں لڑی گئیں۔

دونوں قوموں کے درمیان رونما ہونے والا یہ تصادم دونوں قوموں کے درمیان لڑی جانے والی صلیبی جنگوں کے دوران عروج وکمال پر جا پہنچا' اسی لئے اس وقت لگنے والے زخموں کی کسک اب تک باقی ہے۔

صلیبی جنگوں کی ابتداء:

مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان صلیبی جنگوں کے نام سے جو عالمی جنگیں لڑی گئیں۔ ان جنگوں کی ابتداء خلیفہ قائم بامر اللہ کی طرف سے ایک گرجا گھر کی' بقول ان کے بے حرمتی کے واقعے سے ہوئی۔ یہ واقعہ کوئی اہم نوعیت کا نہیں تھا' لیکن ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مسیحی یورپ مشرق وسطیٰ کی اسلامی دنیا پر حملے کے لئے کسی بہانے کا منتظر تھا اور مذکورہ واقعے کے رونما ہونے سے' اسے یہ موقع بآسانی مل گیا۔

چنانچہ ۴۸۸ھ ۱۰۹۵ء میں کلیر ماؤنٹ کے مقدس اجتماع میں اس وقت کے پوپ اربن ثانی نے مسلمانوں کے خلاف صلیبی یا مقدس جنگ کا اعلان کیا' اس نے مقدس جنگ کا اعلان کرتے ہوئے کہا:

''بیت المقدس کو بہانہ بناؤ' اور سرزمین مقدس کو چھین کر اس کے خود مالک بن جاؤ'' یہ سرزمین تمہاری وراثت ہے۔ اس سے ان کافروں (مسلمانوں) کا کوئی واسطہ نہیں۔ اس مقدس سرزمین کے بارے میں تورات کا کہنا

ہے کہ اس میں دودھ اور شہد کی نہریں جاری ہیں'' (۴)

چنانچہ پہلا صلیبی حملہ ۴۸۹ھ/۱۰۹۶ء کو شروع ہوا اور مسلسل چار سال ۴۹۲ھ/۱۰۹۹ء تک جاری رہا۔ اس وقت چونکہ اسلامی دنیا نہ تو متحد تھی اور نہ ہی ان میں کوئی ایسی طاقت ور حکومت تھی' جو ان کا مقابلہ کرسکتی۔ اس لئے اس جنگ میں بیت المقدس سمیت شام اور فلسطین کے کئی علاقوں پر صلیبیوں نے قبضہ جمالیا اور مشرق وسطیٰ میں ان کی چار آزاد ریاستیں (بیت المقدس' انطاکیہ' طرابلس اور الرھا) قائم ہوگئیں۔

اگر اسوقت سلطان نور الدین زنگی اور اس کا بیٹا سلطان محمود زنگی' ان کے راستے میں آہنی دیوار بن کر نہ کھڑے ہوتے تو عین ممکن تھا کہ پورا مشرق وسطیٰ مغربی طالع آزماؤں کی بھینٹ چڑھ جاتا۔

اسکے بعد بالترتیب ۵۴۲ھ/۱۱۴۷ء' ۵۸۲ھ/۱۱۸۶ء' ۵۹۱ھ/۱۱۹۵ء' ۶۲۶ھ/۱۲۲۸ء اور ۶۶۲ھ/۱۲۲۸ء میں صلیبی حملے ہوئے۔ جو کئی کئی برس جاری رہے اور تقریباً دوسو سال تک یہ دونوں قومیں عالمی جنگیں لڑتی رہیں۔

یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ یورپ کی طرف سے ہونے والے یہ تمام حملے نتائج کے اعتبار سے مکمل طور پر ناکام رہے' اور مسلمان حکمرانوں نے یورپی حکمرانوں کے ایسے دانت کھٹے کئے کہ انہوں نے دوبارہ پلٹ کر ادھر کا رخ نہیں کیا اور مغرب صدیوں ان جنگوں میں لگنے والے زخم چاٹتا رہا۔ چنانچہ ۱۹۱۷ء کو جب برطانیہ نے ہندوستانی سپاہیوں کی مدد سے بیت المقدس پر قبضہ کیا (۵) تو اس موقع پر کہا گیا کہ انہوں نے صلیبی جنگوں کا بدلہ لے لیا ہے۔

اگر گہرائی میں جا کر دیکھا جائے تو مسلمانوں اور مسیحی یورپ کے درمیان اس کے بعد جو بھی معرکہ آرائیاں ہوئیں' خواہ یہ ترکی کے خلاف اس کے مقبوضہ ممالک میں ہوں یا بلقان کی ریاستوں میں یا افغانستان اور عراق کے میدانوں میں' ان سب کے پیچھے یہی صلیبی جنگوں والا جذبہ ہی کام کررہا ہے۔ اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ''مغرب نے مسلمانوں کا یہ جرم کہ انہوں نے اپنے ملکوں کی حفاظت کے لئے سردھڑ کی بازی لگادی تھی اور سات سمندر پار سے آنے والی جنگجو اقوام کو اس علاقے میں ان کی من مانی نہیں کرنے دی تھی۔ اب تک معاف نہیں کیا۔ اور اس کی صدائے بازگشت کسی نہ کسی صورت میں کہیں نہ کہیں سے منعکس ہوتی رہتی ہے۔

تہذیبوں میں تصادم کا موجودہ نعرہ اور اس کا پس منظر

یہ دنیا کی بدقسمتی ہے کہ اس وقت دنیا کی زمام کار جن قوموں کے ہاتھوں میں ہے' ان میں دنیا میں امن و آشتی کو فروغ دینے اور ہم آہنگی کو رواج دینے کے لئے مثبت سوچ کا فقدان ہے۔ ان ملکوں کی مسند ہائے اقتدار پر بیٹھے ہوئے حکمرانوں کے اس مفاد پرست ٹولے کو دنیا کا امن کسی صورت میں بھی گوارہ نہیں ہے اور وہ نت نئے بہانوں اور نئے نئے نعروں کے ساتھ دنیا کے امن و امان کو لوہے اور بارود کی نذر کرنا چاہتا ہے۔ موجودہ دور میں ''تہذیبوں کے تصادم'' کے نظریئے کے پس منظر میں بھی یہی جذبہ کام کررہا ہے۔

دوسری طرف چونکہ دنیا کا مزاج بدل چکا ہے۔آج کے دور کا انسان خواہ اس کا تعلق مشرق سے ہو یا مغرب سے صلح اور امن کے ماحول میں زندگی بسر کرنا چاہتا ہے' آج جنگ وجدال کو نہ تو یورپ میں پسند کیا جاتا ہے اور نہ ہی مشرق میں۔اس لئے جنگ اور اس کے جذبے کو تروتازہ اور جوان رکھنے کے لئے آج مسیحی یورپ کو نت نئے بہانوں اور نت نئے نعروں کی ضرورت آرہی ہے۔آج کا دور پروپیگنڈے کا دور ہے' اس پروپیگنڈے اور میڈیا کے ذریعے زیرو کو ہیرو اور ہیرو کو زیرو بنایا جاسکتا ہے۔اور بنایا جارہا ہے۔میڈیا جب چاہے کسی ملک یا قوم کے خلاف منفی پروپیگنڈے کے ذریعے ایسا ماحول پیدا کردے کہ دنیا اگر اس پر حملہ کر کے اس کی تکا بوٹی کردے تو دنیا حملہ آور کو شاباش دے گی۔جیسا کہ افغانستان اور عراق میں یہی صورت حال دیکھنے میں آچکی ہے۔

اسی لئے مغربی دانشوروں نے مسلمانوں کے خلاف اپنی اس تازہ یورش کو بہت سوچ سمجھ کر ''تہذیبوں کے تصادم'' کا عنوان دیا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ مغربی لوگوں کو اپنی موجودہ تہذیب اور اپنے موجودہ کلچر سے بے حد محبت ہے۔مجھے خود دو مرتبہ کئی مغربی ملکوں میں جانے کا اتفاق ہوا' جس میں سکنڈے نیوین ممالک خصوصاً ناروے' سویڈن' اور ڈنمارک کے علاوہ فرانس بھی شامل ہے۔ان تمام ملکوں میں لوگوں کا اپنی موجودہ تہذیب سے بے حد پیار دیکھنے میں آتا ہے۔ان کا کہنا ہے کہ انہوں نے اپنی تہذیب کا موجودہ مقام صدیوں کی کلیسا کے ساتھ جنگ کے بعد حاصل کیا ہے' لہذا ہر وہ شخص جو انہیں اس تہذیب سے محروم کردے۔انہیں سخت ناپسند ہے۔مغربی انسان یہ چاہتا ہے کہ وہ امن وامن والے اس ماحول میں اسی طرح ساحلوں پر بیٹھا رہے اور امن وامان کے سمندروں میں یونہی غوطے لگاتا رہے۔یہی وجہ ہے کہ جب بھی جنگ کی بات ہوتی ہے تو مغربی عوام سڑکوں پر نکل آتے ہیں۔اس لئے کہ انہیں جنگ سے موجودہ تہذیب کے ٹوٹ جانے اور اپنے خوابوں کے بکھر جانے کا اندیشہ ہے۔

بہر حال مغربی عوام اپنی تہذیب کے بے حد دیوانے ہیں' یہ الگ بات ہے کہ موجودہ مغربی تہذیب نے مغرب کو اور وہاں بسنے والے انسان کو سوائے مایوسیوں اور محرومیوں کے کچھ نہیں دیا اور مغرب میں عیش وعشرت پسندی کے اس جذبے سے خاندانی نظام ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو کر رہ گیا ہے۔اور اب تو اقوام متحدہ کے تحت مختلف ملکوں میں 'شادی خانہ آبادی'' کی تحریک شروع کی گئی ہے۔تا کہ لوگوں کو خاندانی وحدت میں پرو دیا جاسکے۔

اس لئے مغربی دانشوروں نے اس مرتبہ بہت سوچ سمجھ کر ترپ کا پتہ پھینکا ہے کہ مسلمانوں کو تہذیب حاضر کا دشمن ثابت کر کے مغربی لوگوں کو باور کرایا جاسکے کہ مسلمانوں اور ان کی تہذیب سے' تہذیب حاضر کو سخت خطرہ ہے۔لہذا اس خطرے کو' بالفاظ دیگر' ایسے اسلامی ملکوں کو جو کم از کم اپنا دفاع کرنے کی پوزیشن میں ہیں' ایک ایک کر کے نشانے پر لایا جائے۔اور ان کے خون سے ہاتھ رنگتے ہوئے ان کا قصہ پاک کر دیا جائے اور اس کے ساتھ ساتھ حتی الامکان مغربی عوام کا تعاون حاصل کیا جائے

تہذیبوں کے تصادم کے نظریئے کا آغاز وارتقاء:

دنیا کے حالات وواقعات پر ایک نظر ڈالنے سے یوں محسوس ہوتا ہے کہ شاید مغرب پہلی جنگ عظیم کے فوراً بعد ہی اسلامی دنیا پر حملہ کرنا اور اسے سبق سکھانا چاہتا تھا۔ اس جنگ میں اس وقت کے مسلمانوں کی واحد مثالی قوت ترکی کو جس بیدردی اور بے رحمی سے ختم کیا گیا اور پھر خود ترکی کے جس طرح سے حصے بخرے کرنے کی کوشش کی گئی' اس سے اس رائے کی تائید ہوتی ہے' تاہم ۱۹۱۷ء میں بالشویک انقلاب اور روس سے ابھرنے والی سوشلزم کی طاقتور تحریک نے مغربی دانشوروں کو اپنا یہ ارادہ کچھ عرصے کے لئے ملتوی کرنے پر مجبور کردیا۔

چنانچہ سابقہ سوویت یونین کے خاتمے تک یہ تحریک اندر ہی اندر دبی رہی اور مغرب کو اپنا یہ تعصب چھوڑ کر اپنے طاقت ور دشمن سے دو دو ہاتھ کرنے کیلئے مسلمانوں سے تعاون لینا پڑا۔ آخری دنوں میں تو مغربی ممالک کو اپنے اخراجات سے مسلمانوں کو دینی مدارس تک کو چلانا پڑا۔ اور افغانستان میں مسلمانوں کو ہر طرح کی مالی اور اخلاقی امداد مہیا کی جاتی رہی۔

لیکن جیسے ہی سوویت یونین اور سوشلزم کا خاتمہ ہوا اور سرد جنگ کا دور اختتام کو پہنچا۔ مغرب کے ذہن میں چھپا ہوا پرانا ناسور پھر جاگ گیا۔ اور اسے ایک نئے عنوان سے یعنی ''تہذیبوں کے مابین تصادم'' کے مفروضے کے تحت دنیا کے سامنے پیش کیا گیا۔

واقعاتی شہادت یہ ہے کہ ابھی افغانستان میں مغرب اور روس کے مابین آویزش عروج پر تھی اور پوری طاقت کے ساتھ زور آزمائی ہورہی تھی کہ انہی دنوں امریکہ کے سابق صدر رچرڈ نکسن نے اپنے ایک مضمون میں یہ بات کہی۔ ''امریکہ اور روس' افغانستان کے اندر لڑ رہے ہیں' اس کا نتیجہ کیا ہوگا یہ میں نہیں کہہ سکتا لیکن مجھے صاف نظر آرہا ہے کہ امریکہ اور روس کا مفاد آپس میں لڑنے میں نہیں ہے' اصل خطرہ کچھ اور ہے اس کا شعور پیدا کرنے کی ضرورت ہے اور وہ ہے اسلامی بنیاد پرستی کا خطرہ''(۶)

پھر سب سے پہلے نیٹو کے جنرل سیکرٹری نے یہ بات کہی کہ ''سرخ خطرہ ٹل گیا ہے اور سبز خطرہ نمودار ہوگیا ہے'' اس کے بعد ایک بڑے یہودی مفکر برنارڈ لیوس (Bernard Liwis) نے' جو لندن یونیورسٹی میں پروفیسر رہا اور پھر ۱۹۸۰ء میں امریکہ منتقل ہوگیا اور اس نے امریکہ کے اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کے مشیر اور امریکی پالیسی ساز کے طور پر کام کرنا شروع کردیا۔ یہ شخص پوری اسرائیلی لابی کے دماغ کی حیثیت سے کام کرتا ہے۔ اس نے ۱۹۹۰ء میں جب روسی فوجیں افغانستان سے واپس ہوئیں' امریکہ کے اہم رسالے (Atlantic Monthly) میں اپنے مضمون میں پہلی بار تہذیبوں کے مابین تصادم (Clash of Civilization) کے الفاظ استعمال کئے۔ اس نے اپنے اس مضمون میں لکھا: اب یہ بات واضح ہوجانی چاہیے کہ ہم مسائل' پالیسیوں اور ان کو لیکر چلنے والی حکومتوں کی سطح بلند ہونے کی

کیفیت اور تحریک کا سامنا کر رہے ہیں۔ یہ تہذیبوں کے تصادم سے کم کی بات نہیں ہے۔ غالباً یہ ہمارے یہود، مسیحی ماضی، ہمارے سیکولر حال اور ان دونوں کی عالمگیر توسیع کیخلاف ایک قدیم دشمن کا شاید غیر عقلی لیکن یقیناً تاریخی ردعمل ہے۔" اس مضمون میں اس نے واشگاف لفظوں میں کہا:

اسپین میں مسلمانوں کی پہلی آمد سے لے کر ویانا میں دوسرے ترک محاصرے تک ایک ہزار سال کے دوران یورپ مسلسل اسلام کے خطرے کی زد میں رہا ہے۔ (۷)

اس کے اس نظریئے کو بڑی پذیرائی ملی اور یوں لگتا ہے کہ مغربی دانشور کسی ایسے ہی شوشے یا نعرے کے منتظر تھے، اور انہیں جیسے ہی یہ نعرہ سنائی دیا، انہوں نے بلاسوچے سمجھے اس کی تال پر سر دُھننا اور اس کی لے میں لے ملانا شروع کر دیا۔ ۱۹۹۱ء میں ایک دوسرے مغربی دانشور ولیم (William Pfaff) نے ایک مضمون میں اس کی تائید کرتے ہوئے لکھا:

There are a good many people who think that war between Communism and the west is about to be replaced by a now war between the west and Muslim (8)

(بہت سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ کمیونزم اور مغرب کے مابین ہونے والی یہ جنگ جلد ہی مغرب اور اسلام کے مابین ہونے والی جنگ میں بدل جائے گی)

چونکہ یہ سب کچھ ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت ہو رہا ہے۔ اسی لئے اس موضوع پر بہت کچھ لکھا جا رہا ہے اور لکھا جا چکا ہے۔ چنانچہ اس موضوع کا محاکمہ کرتے ہوئے ایک سکالر لکھتا ہے:

Islam and Christian Europe have sporadically been at war since the time of the Crusades, there are people (on our side and on there side) who want to turn this into a holy war between two civilizations as that could produce anything but death or Lasting misery (9)

(''اسلام اور مسیحی یورپ' صلیبی سے لے کر گاہے بگاہے جنگ کرتے چلے آ رہے ہیں۔ اب بھی دونوں طرف (ہماری طرف اور ان کی طرف) ایسے لوگ موجود ہیں جو یہ چاہتے ہیں کہ اس کو دونوں تہذیبوں کے مابین ایک کھلی جنگ میں تبدیل کر دیں۔ مگر اس سے موت یا انسانیت کے خاتمے کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا)

پھر جب مغرب میں کوئی بحث چلتی ہے تو اسے نام نہاد سروے کے ذریعے قوت پہنچائی جاتی ہے، حالانکہ ''سروے'' مکمل طور پر سروے کرنے والوں کے ہاتھوں کی کارروائی ہوتی ہے اور یہ کوئی ضروری نہیں کہ اس میں واقعیت بھی موجود ہو۔ اس مسئلے پر بھی کئی نام نہاد سروے رپورٹیں مرتب کی جا چکی ہیں۔ جن سے یہ تاثر دیا جا رہا ہے کہ معاشرے کے مختلف لوگ بھی دور حاضر کو تہذیبوں کا تصادم قرار دے رہے ہیں۔

اس ضمن میں سیموئیل ہن ٹنگٹن کا نام خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہے، اس شخص نے برنارڈ لیوئس کے مشن کو

آگے بڑھاتے ہوئے بڑا موثر کام کیا ہے۔ یہ شخص ایک یہودی ہے اور ''ہارڈ ورڈ یونیورسٹی'' میں بین الاقوامی تعلقات کا پروفیسر ہے۔ اس نے ۱۹۹۳ء میں معروف امریکن رسالے ''فارن افیئرز'' میں ایک مضمون لکھا جس کا عنوان تھا (The Clash of civilization) پھر اس نے اس بحث کو پوری تفصیل کے ساتھ اپنی ایک کتاب میں شائع کیا جس کا عنوان ہے: Clash of Civilizations and Remarkin of New World

بقول پروفیسر خورشید احمد' یہ کتاب تہذیبوں کے تصادم والے نظریئے کی ''بائبل'' بن گئی ہے اور اس کی بیسیوں نہیں سینکڑوں کی تعداد میں کتابیں' تقاریر' اسٹرے ٹیجک اور دانشوروں اور ماہرین (Think Tank) کی رپورٹیں اس موضوع پر آئی ہیں۔ (۱۰)

الغرض مغربی دنیا بشمول امریکہ تہذیبوں کے تصادم والا نظریہ پیش کر کے مسیحی یورپ کو یہ بتانا چاہتا ہے کہ اصل خطرہ ان کے لئے اسلام ہے۔ اور یہ کہ مسلمان ان کے مذہب' ان کی تہذیب' ان کے تمدن کو ختم کرنا چاہتے ہیں۔ لہذا اس سے پہلے کہ وہ تمہیں ختم کریں' تم انہیں ختم کردو۔

اس کے ساتھ ساتھ مغرب کو یہ بھی باور کرایا جارہا ہے کہ مسلمان کا سیکولر ہوجانا اور مغربی تہذیب کے اہم پہلوؤں کو اختیار کرلینا بھی مسئلے کا کوئی حل نہیں ہے۔ چنانچہ ایک مغربی خاتون ڈاکٹر شیریں ہنگر نے لکھا:

''مسلم معاشروں کا مکمل طور پر سیکولر ہوجانا اور مغربی تہذیب کے اہم پہلوؤں کو اختیار کرلینا بھی مغربی اور مسلم ممالک کے درمیان مستقل مفاہمت کی ضمانت نہیں دے سکتا۔ جب تک کہ مغربی اور مسلم ممالک کے درمیان باہمی نزاع کے اسباب باقی رہتے ہیں' خاص طور پر مسلم ممالک کی یہ خواہش کہ مغرب کے مقابلے میں طاقت کے عدم توازن کو دور کیا جائے''

حرف آخر:

الغرض اس وقت جیسا کہ علامہ اقبال نے کہا ہے:　　ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات

ایک طرف تو مغرب میں اسلام اور مسلمانوں کو ختم کرنے کے لئے تہذیبوں کے تصادم کا نام نہاد نظریہ پیش کر کے یہ کوشش کی جارہی ہے کہ جو مسلمان ملک بھی فوج' اسلحہ اور حکمت عملی کے میدان میں مغرب کے مقابلے میں اٹھ سکتے ہیں' انہیں ایک ایک کر کے ختم کردیا جائے۔ دوسری طرف مسلمان ممالک مایوسی' جہالت اور سیاسی طور پر عدم اتفاق کا شکار ہیں اور آپس کی خانہ جنگیوں میں اس قدر الجھے ہوئے ہیں کہ انہیں یہ احساس ہی نہیں کہ دنیا ان کے ساتھ کیا معاملہ کرنے جارہی ہے۔ اس صورت کا ہم مختصر طور پر یوں تجزیہ کرسکتے ہیں۔

۱۔　تہذیبوں کے تصادم والا نظریہ محض مسیحی یورپ کے دانشوروں کا من گھڑت منصوبہ ہے' جس کے ذریعے وہ خام مال خصوصاً گیس اور تیل کی دولت سے مالا مال اسلامی ممالک کے وسائل پر دیر تک قبضہ برقرار رکھنا چاہتے ہیں۔

۲۔ اس نام نہاد نظریئے کا دوسرا بڑا مقصد یہ ہے کہ ایسے اسلامی ممالک جو فوج' اقتصادی' ساز وسامان اور تکنیکی حکمت عملی کے میدان میں' مغربی ممالک کا مقابلہ کرسکتے ہیں۔ انہیں ایک ایک کرکے سبق سکھایا جائے اوران ممالک میں اپنی مرضی کی اور من پسند حکومتیں قائم کی جائیں۔

۳۔ اسلام کی اشاعت اور مغربی تہذیب وتمدن کے خلاف مسلمان علماء کی پرمغز علمی اور فکری کاوشوں کو اس تصادم کا عملی مظہر بنا کر پیش کیا جاسکے تاکہ فکری میدان میں مغربی استعمار کی مخالفت کو ختم کیا جاسکے۔

۴۔ اپنی شتر بے مہار اور مادر پدر آزاد تہذیب کا نہ صرف پوری' قوت کے ساتھ دفاع کیا جائے بلکہ اسے میڈیا کے ذریعے مسلمانوں پر بھی مسلط کیا جائے۔ اور جو شخص اس کی مخالفت کرے' اسے بنیاد پرست اور انتہا پرست قرار دے کر روکا جاسکے بلکہ اگر ممکن ہو تو اسے خود مسلمان ممالک کے ہاتھوں سزا دلوائی جائے۔

یہ ہے تہذیبوں کے تصادم والے نظریئے کا پس منظر۔

﴿ حـــوالــــــہ جـــات ﴾

۱۔ النساء (۳۲/۴) ۲۔ القرآن الکریم 'البقرہ (۱۵/۲) ۳۔ مشکوٰۃ (اللباس)

۴۔ حسن الحبشی 'الحروب الصلیبیۃ الاولیٰ' قاہرہ ۱۹۴۷ء ص ۳۔۲۷' یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ ''صلیب'' کے عنوان سے لڑی جانے والی ان جنگوں کی اساس ہی غلط تھی' حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صلیب تو امن اور عدم دفاع کا نشان ہے' مغرب نے اسی صلیب کو مشرقی ممالک خصوصاً اسلامی ملکوں پر چڑھائی اور دھاوے کے لئے نشان بنالیا' جو کہ درست نہیں ہے۔

۵۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ' ۱۶/۱/۱: ۳۰۶۔۳۰۷

۶۔ ترجمان القرآن' مئی ۲۰۰۶ء بحوالہ رسالہ Forign Affairs

۷۔ جیفرسن لیکچر ۱۹۹۰ء Atlantic Monthly' ستمبر ۱۹۹۰ء

۸۔ William Pfaff, Help Algeria's Fundamentalist, the New York January,1991

۹۔ John L.Esposito, The Islamic myth or Releaty (تیسرا ایڈیشن' باب ششم' ص ۲۱۵' مطبوعہ آکسفرڈ یونیورسٹی نیویارک ۱۹۹۹ء) یہ کتاب اس عنوان پر بڑی اہمیت رکھتی ہے' مصنف نے اس کتاب میں مسئلے کے تمام پہلوؤں کا جائزہ لیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ یہ محض ایک افسانہ ہے اور حقیقت نہیں ہے۔

۱۰۔ پروفیسر خورشید احمد' تہذیبوں کا تصادم حقیقت یا واہمہ' در ترجمان القرآن مئی ۲۰۰۶ء ص ۱۱

۱۱۔ ایضاً